© rasailojaraid.com

ڈاکٹر نظیر حسین زیدی

میر جان اللہ شاہ اوّل متوفی ۱۱۶۷ھ ۱۷۵۴ء

شمالی سندھ کے نامور صوفی شاعر

سندھ کے خطے میں شعراء کی تعداد جس قدر زیادہ ہے اسی قدر وہ غیر معروف بھی ہیں ان کے غیر معروف ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ جس قدر وہ زمانے کی ناقدری کا شکار ہوئے اتنے کسی اور خطے کے لوگ نہیں ہوئے۔ سندھ کا علاقہ اپنی بعض خصوصیات کے سبب اللہ والوں کو زیادہ پسند آیا اور یہاں انھوں نے اس علاقے کو گوشۂ تنہائی سمجھ کر اپنے لیے پسند بھی کیا۔

زمانے کے حالات کے سبب ان آنے والوں نے گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کی اور سوائے یاد الٰہی کے کسی اور چیز سے واسطہ نہیں رکھا۔ رفتہ رفتہ ان کے اخلاق اور نیک نفسی کا شہرہ دور دور تک پہنچا اور جو انسان جہاں بس گیا اس نے اس مقام کے تمام گرد و نواح کو مرید بنا لیا۔ ان ہی بزرگوں میں سکھر و روہڑی کے ایک مشہور بزرگ "سید محمد مکی" ہیں جن کے دم قدم سے سکھر اور روہڑی دونوں شہر آباد ہوئے، اور ان ہی بزرگ کی نسل میں صوفی شاعر سید محمد جان یا جان اللہ شاہ رضوی، المتخلص بہ میر بھی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نسب نامہ سادات ان (قلمی) میں تحریر ہے کہ

"سید جان اللہ شاہ حضرت امام علی نقی کی نسل سے پچیسویں[25] پشت میں تھے اور سید محمد مکی المتوفی ۶۹۱ھ کی نسل سے چودھویں پشت میں تھے۔ سید محمد مکی کا مزار سکھر میں کلکٹری (ڈپٹی کمشنر کے دفتر) سے متصل واقع ہے۔ یہ جگہ سب کی سب قدیم قبرستان پر مشتمل ہے جس کے نشان رفتہ رفتہ مٹتے جا رہے ہیں اور تعمیرات کا سلسلہ تیزی سے جاری ہے۔ العظمۃ للہ

آباؤ اجداد کی آمد

ان کے آباؤ اجداد میں سے ایک مشہور و معروف بزرگ امیر سید محمد مکی المتوفی ۶۹۱ھ ابن امیر محمد شجاع سلجوقیہ خاندان کے داماد تھے اور ان کے والد (سید محمد مکی کے والد) کے تصرف میں مشہد مقدس سے قندھار تک کا علاقہ تھا۔ ایک روز وہ جنوب کی طرف سیاحت کے لیے نکلے اور لب دریا اس جگہ پہنچ گئے جہاں اب بکھر (پرانا سکھر) کی آبادی ہے۔ یہاں کی آب و ہوا کو پسند کیا اور فرمایا:

"اس زمین میں بوئے اخلاص آتی ہے۔ یہ ایک اچھی جگہ ہے، یہاں قیام کرنا چاہیے۔"

جو خدام ہمرکاب تھے، انھوں نے یہ کلمات ذہن نشین کر لیے۔

وہ (سید محمد مکی کے والد) اس دورے کے بعد جب قندھار واپس تشریف لے گئے تو وہاں پہنچتے ہی ارتحال فرمایا اور روضۂ امام علی رضا میں مدفون ہوئے اور ایک لڑکا سید احمد وارث چھوڑا۔ سید صاحب کے انتقال کے بعد ان کی اہلیہ مدینہ منورہ چلی گئیں وہیں جاکر ان کے دوسرے لڑکے سید محمد مکی تولد ہوئے۔ کچھ عرصے کے بعد دو بھائیوں کی بغداد واپسی ہوئی، وہاں شیخ شہاب الدین سہروردی نے ایک خواب کی بنا پر استقبال کیا اور اپنے گھر مہمان رکھا، شیخ نے چاہا کہ اپنی لڑکی کا عقد سید محمد مکی سے کر دیں تو شیخ کے بعض اعزہ نے سید احمد اور سید محمد مکی کی سیادت میں شبہ ظاہر کیا۔ سید موصوف نے جواباً فرمایا کہ اپنے بعض اعزہ میرے ہمراہ مدینہ بھیج دیجیے تاکہ روضۂ مقدس میں جاکر اپنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیادت ان کے سامنے ظاہر کر دوں۔ یہ بات طے پا گئی اور فوراً چند آدمی ان کے ساتھ گئے۔ جب روضہ پر پہنچے تو آپ نے فرمایا:

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا جَدِّی

آواز آئی:

عَلَیْكَ السَّلَامُ یَا وَلَدِی

یہ جواب سنتے ہی حاجیوں کا ہجوم ہوگیا، انھوں نے بھی چند دن قیام کرنے کی درخواست کی، آپ نے فرمایا ہمیں بغداد جانے کا حکم ملا ہے، اس کے بعد آپ نجف اشرف پہنچے وہاں بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ شیخ کے اعزہ مطمئن ہوئے اور آخرکار ان سے اپنی بیٹی کا نکاح کردیا۔ جن سے امیر سید صدر الدین محمد خطیب پیدا ہوئے، کچھ عرصے کے بعد مشہد مقدس واپس آئے یہاں اپنے والد (امیر محمد شجاع) کے سامان میں ایک کتاب دیکھی جس میں یہ تحریر تھا کہ ان کے والد نے بکھر جاتے وقت اس جگہ کو اپنے وطن بنانے کے لیے منتخب کیا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد اسی قصد سے قندھار کے راستے دریا کے کنارے بکھر کے قریب ۶۵۸ھ میں پہنچے۔ تھوڑی رات باقی تھی کہ سامنے ایک پہاڑ نظر آیا۔ پہاڑ پر چڑھ کر دیکھا کہ دو گائیں پہاڑ کے دوسری طرف چر رہی ہیں۔ چرواہوں کو انعام و اکرام سے سرفراز کیا اور پھر آبادی کے متعلق دریافت کیا۔ انھوں نے رہبری کی۔ وہ گائیں بھی ساتھ ساتھ چلتی رہیں۔ یہاں تک کہ صبح صادق کے وقت اس سرزمین پر پہنچے اور تمام مرکب خود بخود بیٹھ گئے۔ اسی وجہ سے سمجھ لیا گیا کہ یہی جائے اقامت ہے۔ ان گایوں کی رہنمائی کے سبب چونکہ اس آبادی میں پہنچے تھے (عرب گائے کو بقر اور صبح کو بکر کہتے ہیں) اس لیے اس کا نام "بکھر" رکھ لیا گیا اور فوراً عبادتِ الٰہی میں مصروف ہوگئے۔ اس خبر سے (ملازمان سرکاری) ملازم سرکاری (خبرداران دہ) آگاہ ہوئے۔ انھوں نے اپنے حاکم کے پاس یہ حالات لکھ کر بھیج دیے (جس کے تصرف میں پرگنہ اوچہ سے لے کر تا سرحد صوبہ ٹھٹھہ تھا۔ اس زمانے میں شمالی سندھ کا علاقہ صوبہ ملتان میں شامل تھا اور یہ بکھر کا موجودہ علاقہ پرگنہ اوچ شریف میں شامل تھا) حاکم وقت نے ایسے بزرگ سے ملنے کا اشتیاق ظاہر کیا اور وہ جب خدمت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں حاضر ہوا تو آپ کی تلقین سے مشرف باسلام ہوا - اور مریدوں میں شامل ہو گیا- آپ نے اس سے اس زمین کا ایک حصہ خرید کرنے کی خواہش ظاہر کی اور اپنے بیٹے امیر سلطان العارفین صدرالدین کو حکم دیا کہ اچھی زمین کا انتخاب کرلیں- انھوں نے سمت مغرب پسند کی اور قلعہ سہوان ——— تک کا حصہ پسند کیا- لیکن (والد صاحب) سید محمد مکی نے اس سے کم زمین اپنے لیے خرید کرنا پسند کیا اور اس کی قیمت ادا کر دی گئی- یہاں تک کہ ۶۹۱ھ میں امیر سید محمد مکی نے انتقال فرمایا اور پرانا سکھر کے جانب غرب دفن ہوئے- یہ مزار ضلع ککڑی کے پہاڑی سے نیچے واقع ہے-

باپ کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے امیر سید صدرالدین خطیب سہوان کے علاقے سے اس جزیرہ میں آباد ہو گئے جو سکھر روہڑی کے درمیان واقع ہے، جس کو آج تک بکھر کہا جاتا ہے- قلعہ بکھر کے برابر دریا کے کنارے جو لوگ آباد ہوئے وہ ان کے مریدین میں سے تھے-

دریا کے کنارے آباد مقام کا نام "شکر" رکھا گیا- بیان کیا جاتا ہے کہ یہ نام امیر سید محمد مکی کا تھا- اس طرح یہ سادات کا خاندان جزیرہ بکھر میں مقیم رہا- تقریباً دو سو سال کے بعد اس جزیرہ کو قلعہ میں تبدیل کر دیا گیا- اس قلعے میں ۳۵ ۷ کنگرے، چار دروازے اور ۶۱ برج تھے- ہر کنگرہ ۶ گز سے لے کر پندرہ گز تک بلند تھا اور دیوار کی چوڑائی چھ گز تھی- یہ قلعہ تقریباً اسی زمانے میں تیار ہوا تھا جب ہمایوں نے شیر شاہ سے شکست کھا کر بکھر کی طرف توجہ کی اور وہاں سلطان محمود حاکم علاقہ نے شاہ کی پذیرائی نہیں کی، ہمایوں وہاں سے واپس ہو کر کوٹ عمر گئے اور کوٹ عمر سے واپسی میں قندھار اسی راستے سے گئے- اسی درمیان میں بادشاہ نے دوبارہ قلعہ بکھر کو فتح کرنے کا ارادہ کیا، لیکن فتح نہ کر سکے اس لیے کہ سلطان محمود قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا تھا اور اسی دوران سادات جو قلعہ بندی کی وجہ سے سخت تکلیف میں تھے، قلعہ سے باہر آئے اور دریا کے کنارے جنوب

لہ قانع :- تحفۃ الکرام صفحہ ۱۸۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیادگار الحاج سید عبدالرحیم شاہ سجادولی

شاہ ولی اللہ اکیڈمی کا علمی مجلہ

الولی

شعبہ نشرواشاعت شاہ ولی اللہ اکیڈمی صدر، حیدرآباد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رو یہ ایک نیا شہر آباد کیا جو ایک عرصے تک لوہڑی (روہڑی) کے نام سے مشہور رہا۔ (بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مرزا عیسیٰ خان ترخاں کے ٹھٹھہ سے آنے کے وقت سلطان محمود نے قلعہ بکھر کی قلعہ بندی کر لی تھی، جس کے سبب لوگوں نے بہت تکلیفیں اٹھائیں) اس طرح سید محمد مکی کی اولاد میں سے ایک سید زادہ سید سعید الدین نے قلعہ بکھر کے جنوب میں کوہ لہری[1] پر جائے مسکن بنایا اور اس کا نام لہری رکھا جو ایک عرصے تک لوہری کے نام سے مشہور ہوا۔ بعد میں یہ آج تک روہڑی کے نام سے مشہور ہے۔" (از نسب نامہ ساداتاں رضوی الفتوی ساکن بلدہ لوہری مرتبہ مسکین علی اکبر سنہ ۱۹۰۰ء قلمی)

اس قلمی نسب نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سید میر جان اللہ شاہ ان ہی (سید محمد مکی) کی چودھویں پشت میں تھے اور وہ مستقلاً روہڑی میں سکونت پذیر تھے۔

قانع نے تحفۃ الکرام (صفحہ ۳۹۷) میں ان کے متعلق لکھا ہے:-

"وہ راہِ حقیقت کے طالب بزرگ گزرے ہیں۔ شاہ عنایت اللہ کی خدمت میں رہ کر ارشاد کی تعلیم حاصل کی اور اس خاندان کے خلیفہ (بن کر) اور پرچم معرفت لیے اپنے اصلی شہر واپس آگئے۔ "میر" تخلص کرتے تھے۔ اپنے محققانہ اشعار سے بھرپور ایک دیوان اور اپنے مرشد کی لگن میں حقائق سے لبریز ایک مثنوی چھوڑی ہے۔"

نام

اِن کے نام کی مختلف روایتیں ہیں:-

(۱) علی اکبر سکنہ روہڑی نے نسب نامہ ساداتاں رضوی نوشتہ سنہ ۱۹۰۰ء میں سید میر جان اللہ شاہ میر درج کیا ہے اور بعض جگہ میر جان محمد صوفی القادری۔

---

[1] یہی وہ پہاڑی ہے جسے اب کاٹ کر روہڑی اسٹیشن بنایا گیا ہے اور اسٹیشن سے بائیں طرف اب بھی اسی سید کے کوٹ کے نام سے آبادی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲) جو قلمی دیوان دستیاب ہوا ہے اس میں ان کا نام میر سید جان شاہ رضوی ہے

(۳) تذکرہ لطفی (مرتبہ پروفیسر لطف اللہ بدوی شکار پور) میں موصوف کا نام میر جان اللہ شاہ ہے۔

(۴) پروفیسر سدا رنگانی نے اپنی کتاب "سندھ کے فارسی شعراء" میں سید میر جان محمد رضوی درج کیا ہے۔

زمانہ

صوفی سید جان اللہ شاہ کی زندگی کا یہ زمانہ سندھ میں عباسی کلہوڑا خاندان کا عہد حکومت تھا۔ اس خاندان کی تعریف صاحب الکرام بہت کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ پیغمبر اور اس کی مقدس آل کے صدقے میں اس مبارک خاندان کو ہمیشہ عزت واقبال کے ساتھ امیدوں اور مرادوں کے میدان میں نامور رکھے۔

۱۱۶۱ھ میں احمد شاہ ابدالی درانی نے اسی خاندان کے سندھ کے حاکم میاں نور محمد کو شاہ نواز خان کے خطاب سے نوازا۔ اس طرح ۱۷۳۶ء میں نور محمد صوبہ دار سندھ ہوا اور سنہ ۱۷۵۰ء میں افغان حکومت کے زیر تخت آگیا۔ دسمبر ۱۷۵۲ء میں شاہ عبد اللطیف بھٹائی[۱] کا انتقال ہوا اور اسی سال احمد شاہ ابدالی کا سندھ پر حملہ بھی ہوا۔ ۱۷۵۴ء مطابق ۱۱۶۷ھ کے شروع میں میاں نور محمد کا انتقال خناق کے مرض میں ہوا اور ۵ ربیع الاول ۱۱۶۷ھ مطابق ۱۷۵۴ء کو صوفی شاعر جان اللہ شاہ میر کا بھی انتقال ہوا۔ ظاہر ہے کہ سید صاحب کی زندگی کا دور ہندوستان میں سیاسی تبدیلیوں کا دور تھا اور سندھ کا یہ علاقہ براہِ راست درانیوں کی یورش کے زیادہ قریب رہا۔ پھر مغلیہ سلطنت کے زوال کے سبب یہاں مختلف عملداریاں بدلتی رہیں۔

میر جان اللہ شاہ کے اساتذہ

شاہ عنایت نے علم باطنیہ کی تعلیم شیخ کامل شاہ عبد الملک برہان پوری سے دکن

---

[۱] ولادت سنہ ۱۱۰۲ھ مطابق ۱۶۸۹ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں حاصل کی اور علوم ظاہری کی تعلیم شاہ غلام محمد سے دہلی میں۔ آپ تعلیم کی تکمیل کے بعد ٹھٹھہ تشریف لائے، اس کے بعد وہاں سے میرپور (جھوک) میں قیام فرمایا۔ شاہ عنایت نے اپنی زندگی میں خاص و عام کو نہ صرف یہ کہ مستفید فرمایا بلکہ وہ محسود بھی بن گئے۔ اس زمانے میں سلطنتِ مغلیہ کی بدنظمی اور خانہ جنگیوں کے سبب بد سے بدتر حالت ہوتی چلی جارہی تھی۔ اسی طرح سندھ کا برا حال تھا۔ چنانچہ اس دور میں سندھ کے شعراء نے اپنے ماحول سے متاثر ہوکر شہر آشوب لکھے اور یہاں کی بدنظمی کا نقشہ مختلف انداز میں کھینچا۔ پھر اسی دور میں نواب اعظم خان (فرخ سیر کے عہد میں) ۱۱۲۸ھ میں یہاں کا ناظم مقرر ہوکر آیا۔ اور زمینوں کی مال گزاری کی ادائیگی کے سلسلہ میں تنازعہ پیدا ہوا۔ اُدھر میاں یار محمد ملقب خدایار خان (متوفی ۱۱۳۱ھ ۵ ذیقعد) کی فوجوں نے قصبہ کا آکر چاروں طرف محاصرہ کرلیا۔ آخرکار ایک رات اچانک فقراء نے ۱۸ ذیقعد ۱۱۲۹ھ کو فوجوں پر حملہ کردیا۔ لیکن وہ بعد میں محاصرہ کرلیے گئے۔ یہ محاصرہ چار ماہ تک جاری رہا۔ آخر ۹ صفر ۱۱۳۰ھ کو صوفی شاہ اپنے فقیروں کے ساتھ مقابلے کے لیے نکلے لیکن ایک دھوکے سے آپ کو پکڑ کر نواب اعظم خان ناظم ٹھٹھہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے دریافت کیا کہ تم نے شورش کیوں کی؟ آپ نے اس کے جواب میں یہ رباعی پڑھی ؎

آں روز کہ توسن فلک زین کردند ‏ ‏ آرائشِ مشتری و پروین کردند
این بود نصیب ما زدیوان قضا ‏ ‏ ما را چہ گناہ قسمت ما این کردند

اس طرح ایک طویل گفتگو کے بعد جب آپ شعر میں اس کے اعتراضات کا جواب دیتے تھے، نواب نے قتل کا حکم دیا۔ آپ نے زبانِ حال سے قاتلوں کا شکریہ ادا کیا اور یہ شعر وردِ زبان تھا ؎

رہانیدی مرا از قیدِ ہستی
جزاک اللہ فی الدارین خیراً

یہ بزرگوں کے ساتھ ظلم کا نتیجہ تھا کہ وہ مظلوم شہید ہوگئے اور آخر ۱۱۳۱ھ میں خود نواب اعظم خان ٹھٹھہ کی نظامت سے بھی معزول ہوگیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میر جان اللہ شاہ کے دل پر جو قیامت گزری، آپ نے اس واقعہ کا اظہار ایک قصیدے میں کیا اور فرخ سیر بادشاہ کو اس کا ذمہ دار قرار دیا- آپ فرماتے ہیں ؎

فرخ سیر مخبط، آن شاہ جاہلیت
برگشتہ بے تحقق بر قولِ ادعائی

ترسید زینکہ گیرد ملکش فقیہ تارک
یارب نعوذ باللہ از حق روستائی

برخاست تا نشاند، شمعِ وجود حق را
عاقل زسر بُریدن افزون کند

آن مرشدِ زمانہ، آن عارف زمانہ
رخت از جہان برون زد و در عالم خدائی

(از تذکرہ صوفیائے سندھ - اعجاز الحق قدوسی)

شاہ کے مریدوں میں صوفی عبدالوہاب قادری تھے- (بحوالہ تذکرہ لطفی) جنھوں نے ایک شعر میں فرمایا ہے ؎

می کہ خوردم بہ بلد بہاک ملوچ
نشہ در لوہڑی نمود تمام

تحفۃ الکرام میں قانع نے لکھا ہے کہ ان کے فرزند میر قلندر علی کئی مرتبہ شاہ پور میں دیکھے گئے، وہ اسرار فقر سے آشنا اور راہ سلوک پر گامزن ہیں- (وفات میر قلندر علی ۱۱۸۰ھ میں ہوئی)

وفات

ان کے دیوان سے معلوم ہوتا ہے کہ سید جان اللہ شاہ کا انتقال ۵ ربیع الاول ۱۱۶۸ھ مطابق ۱۷۵۴ء کو ہوا- عبدالمجید سندھی نے ان کی وفات کا سال یہی لکھا ہے اور پروفیسر لطف اللہ بدوی مرحوم نے ان کی تاریخ وفات یکم ربیع الاول ۱۱۶۸ھ لکھی ہے- (حوالہ نئی زندگی، شہید نمبر) اور سید صاحب روہڑی کے مشہور قبرستان میں دفن ہوئے- مرحوم کی قبر ایک مستقف جگہ میں ہے جہاں ان کے اولاد شاہ قلندر سید منور علی شاہ (متوفی ۱۱۹۱ھ) کے مزارات بھی ہیں اور ان کی قبر پر جو کتبہ درج ہے اس پر تاریخ وفات ۵ ربیع الاول ۱۱۶۸ھ درج ہے-

سید عبدالحسین شاہ موسوی مرحوم (متوفی ۱۳۸۰ھ) مجھے ان بزرگوں کے مزارات پر لے گئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور مجھے فاتحہ پڑھنے کا موقعہ ملا۔ اس قبرستان سے متصل ہی ایک افتادہ جگہ ہے جس کے متعلق بتایا گیا کہ یہ شاہ جان اللہ صاحب کی عبادت کی جگہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمین دوز (سرداب) تھی جہاں وہ عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔

دیوان

ان کے دو قلمی دیوان ملے، نسخہ اول دیوان میر سید جان محمد شاہ المتخلص بہ میر۔ سید عبدالحسین موسوی مرحوم ریٹائرڈ انسپکٹر آف اسکولز روہڑی کے پاس تھا۔ دیوان کا یہ نسخہ ۲۵ ربیع الاول ۱۲۱۶ھ مطابق ۱۷۹۱ء کو بدست محمد اکرم لکھا گیا۔ یہ نسخہ مجلد چرمی ہے۔

دوسرا نسخہ قلمی محررہ محمد اکرم ۱۴ جمادی الثانی ۱۲۱۶ھ، ان کی (میر سید جان اللہ شاہ مرحوم کی) اولاد میں سے ایک شخص جان اللہ شاہ متوفی ۱۹۶۷ء سکنہ روہڑی کے پاس تھا، دونوں نسخے ایک ہی شخص کے لکھے ہوئے ہیں، قلم اور خط دونوں یکساں ہیں۔

اب یہ دونوں دیوان کہاں ہیں[۱]، خدا بہتر جانتا ہے (واللہ اعلم بالصواب) دونوں کا کاغذ بادامی ہے۔ پہلے نسخہ کا سائز "۶×"۴ ہے اور دوسرے نسخہ کا سائز "۷×"۵ ہے۔

میں نے پہلے نسخہ کو تفصیلاً دیکھا۔ اس کے کل صفحات ۲۶۵ ہیں۔ یہ مجلد چرمی ہے۔

اس میں غزلوں کی تعداد ۱۸۱ اور تا صفحات ۱۶۳، ۱۵۸۰ اشعار ہیں۔

صفحہ ۱۶۴ پر قصیدہ فی مدح الشیخ ہے، جس کے ۴۷ اشعار ہیں۔

پھر ترجیع بند مسمی بلقاء اللہ ۱۴۶ اشعار ہیں۔

اس کے بعد حافظ اور صائب کی غزلوں پر مخمس ہیں۔

---

[۱] جہاں تک مجھے معلوم ہے، ایک نسخہ ڈاکٹر قاضی نبی بخش سابق صدر شعبہ فارسی سندھ یونیورسٹی تک پہنچا اور انھوں نے غالباً سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ یا سندھ یونیورسٹی کو منتقل کر دیا ہے۔ دوسرا نسخہ میر جان اللہ شاہ کی اولاد میں رہا اور ان کے اخلاف میں میر جان اللہ شاہ سکنہ روہڑی کے پاس میں نے دیکھا۔ ان کا انتقال روہڑی میں ۱۹۶۷ء میں ہوگیا۔ اب معلوم نہیں ہوسکا کہ وہ نسخہ کہاں ہے؟

نوٹ:- دیوان میر کا ایک خوشخط اور قدیم نسخہ میرے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے۔ قاسمی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حافظ کی مشہور غزل پر تضمین قابلِ توجہ ہے ؎

کسے نہ حکمت ایجاد رہبری داند — کہ ذوق مشرب عشق پیمبری داند
کمال موسوی و نقش سامری داند — نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند
نہ ہر کہ آئینہ سازد سکندری داند

سر اقبال مرحوم نے حافظ کی اسی غزل کے جواب میں ایک غزل کہی تھی جس کا ایک شعر یہ تھا ؎

بیا بمجلس اقبال یک دو ساغر کش
اگرچہ سر نہ تراشد قلندری دارد

اس دیوان میں ایک ساقی نامہ بھی ہے جس کا مطلع یہ ہے ؎

شبے در خلوت غم بود جایم
مکدر گشت سر جوشش صفایم

اس کے بعد ایک مثنوی در بحر مولانا رومی مسمی بدلائل اللقاء فی المناجات ہے، جو اس طرح شروع ہوتی ہے ؎

اے چمن پیرائے باغ جسم جان — دیدہ و دل را بہار جاودان
دیدۂ دل وقف حسرت کردۂ — جلوہ بے اندازِ طاقت کردۂ

پھر ایک نظم میں تفسیر قول المشائخ قدس اللہ بھی ہے۔

دوسری نظم میں تفسیر آیۂ کریمہ ان ھم الا کالانعام بل ھم اضل سبیلا ہے

ایک نظم در منقبت حضرت علیؓ ہے۔ یہ نظم معرفت سے پُر ہے اور شاعر ولایت کے اس درجہ اور مرتبہ کی شان میں رطب اللسان ہے جس ولایت کا اولیں فرد آپ کی ذات ہے۔

شاہ عنایت اللہ شہید کی زندگی اور ان کے مجاہدانہ کارناموں کا اثر میر جان اللہ شاہ پر اس قدر ہوا تھا کہ انھوں نے ایک نظم میں ان کی شہادت کے واقعات لکھے تھے (شاہ عنایت اللہ صوفی کی شہادت کلہوڑوں کے دور میں عہد فرخ سیر میں سنہ ۱۱۳۰ھ مطابق ۱۷۱۸ء میں ہوئی تھی) ؎

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

این کہ می جوشد معارف میر در گفتار من
از تلطف ہائے آں شاہ شہیداں یافتہ

غزلیات پر تبصرہ

جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں کہ ان کے دیوان میں صفحات ۱۶۳ تک ۱۵۸۰ اشعار غزل پر مشتمل ہیں۔ ان کی غزلیں صوفیانہ خیالات اور اخلاق و موعظت سے پُر ہیں۔ ان پر حافظ کی شاعری کا بہت اثر ہے۔

جس طرح حافظ نے محبت عام کی دعوت دی ہے اسی طرح ان حضرات نے بھی صوفیانہ شاعری کے ذریعہ محبت عام کے سبق دیئے ہیں، تواضع کے سبق پڑھائے اور انکساری سے رہنا سکھایا۔

اُن کے دیوان کی پہلی غزل حسب ذیل ہے جو حمد الہٰی پر مشتمل ہے۔

مطلع ؎

الہٰی جوشش طوفان بخش چشم اشکبارم را
سحاب دجلہ افشاں کن رگ ابر بہارم را
بزور نشۂ صاف محبت رویم افروزی
بخون شعلۂ سر سبز گرداں کشت زارم را

مقطع ؎

غلام ہمت عشقم کہ ہر دم میر گرداند
طراز جنگل شہباز کبک کوہسارم را

میر جان اللہ شاہ مرحوم حافظ کے کلام کے عاشق ہیں اور بعض بعض جگہ ان کے کلام پر تضمینیں ملتی ہیں مثلاً ؎

حافظ شہر از نگاہ میر مجلس شد خراب
چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما

ان کے کلام میں تصوف کا گہرا اثر ہے اور اپنے مرشد کے حکم کو ماننا تہذیب نفس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے مرادف سمجھتے ہیں ؎

از خلاف طبع شمع دل منور کردہ ایم زہر باشد انگبین درکام استعمال ما
خویشتن را تابع ارشاد پیراں کردہ ایم حکم پارینہ کند تقویم بر امثال ما

حافظ کی مشہور غزل پر جو دیوان میں سب سے پہلی غزل ہے ؎

الا یا ایہا الساقی ادر کاساً و ناولہا کہ عشق آسان نمود اول ولے افتاد مشکلہا

میر جان اللہ شاہ نے اسی بحر میں غزل لکھی ہے جس کے چند اشعار یہ ہیں جو دنیا کی بے ثباتی اور اس سے قطع تعلق اور کبر و عجب سے دُوری کے مسائل پر مشتمل ہے ؎

دریں بحر بلا طوفان بقا جز یک نفس نہ بود حباب آسا بدوش موج بربستیم محملہا
شہود جلوۂ جاناں مکن گم در خود آرائی گزیں گرد تو ہم شد فرو پس پائے دلہا
تعلق بگسل ار خواہی میر چوں حافظ متی ما تلق من تہوی دع الدنیا و اہملہا
ز عجب ہستی وہمی با سفل می رود زاہد شراب نیستی آخر پیام آورد مستان را

ذیل کے شعر میں دنیا کی تباہی کا خاکہ کھینچا ہے ؎

بنای خانۂ ہستی ہمہ برباد می باشد نفس از آمد و رفتن پیام آورد مستان را

وہ اخلاق اور موعظت کے ساتھ آرام کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی صورت بتاتے ہیں ؎

با تکلف گر نسازی عمر آسان بگزرد
دست کاہنجا میتواند کرد کار شانہ را

اُن کے کلام میں جابجا حافظ کے علاوہ صائب کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صائب کا کلام پاک و ہند اور ایران میں قبولیتِ عامہ کی سند حاصل کر چکا تھا چنانچہ میر کہتے ہیں ؎

ہم نوا چون میر با صائب شدن
ہمت مردانہ میدانیم ما

یہی پاکبازانہ زندگی قناعت کی طرف لے جاتی ہے اور وہ سکون قلب اور اطمینان کے لیے قناعت کی طرف متوجہ کرتے ہیں ؎

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دست از دامن مطلب کش و آسودہ نشین
خار خار ہوس ست بارشش سنگست این جا
در کلام قانعان باشد غنائے عالمی
آرزو چون سوخت در دل میر اکسیر طلا است

آرزوؤں کی تکمیل کے لیے دربدر پھرنا کار خرد منداں نہیں ہے، اسی لیے وہ قناعت کے گوشہ میں بے فکر زندگی بسر کرتے ہیں ؎

بدنبال امل گردیدن از دانش نمی باشد
بصد ذلت تواند کرد روزی میر بدنامت

میر صاحب کی نظر کے سامنے حافظ کا کلام رہتا تھا۔ چنانچہ ایک اور جگہ انھوں نے حافظ کی غزل پر غزل کہی ہے۔

حافظ کی غزل ؎

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند ۔۔۔ وندراں ظلمت شب آب حیاتم دادند

پر انھوں نے کہا ہے ؎

گل بداماں دل از جلوۂ ذاتم دادند ۔۔۔ سربسر چمن از فکر صفاتم دادند
سربسر گلشن تحقیق تماشا کردم ۔۔۔ تاکہ از ربقۂ تقلید نجاتم دادند
نا امید از کرم جہر سواران مشوید ۔۔۔ کہ پس از سوختنم آب فراتم دادند
بہر دلداریٔ من گشتہ ملائک نازل ۔۔۔ بر سر کوئی بقا پائی ثباتم دادند

خضر ساں قطع نمودم ہمہ ظلمات بدن
کز سر چشمۂ جاں آب حیاتم دادند

یہ غزل عارفانہ کلام کی بلند منزل پر ہے، جہاں عبادت اور مراقبہ تہذیب نفس کے لیے ممد ہوتے ہیں۔

چنانچہ وہ کہتے ہیں ؎

للہ الحمد کہ برداشت حجاب از چشم ۔۔۔ آنچہ از خلق نہان است عیانم دادند

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مشکلاتم ہمہ حل کرد، خموشی بردند شوق گفتار گرفتند زبانم دادند

راہِ تقلید بہ عامان نتوان رفت کہ میر

کہ درکعبۂ تحقیق نشانم دادند

ان کی غزلوں میں جگہ جگہ ان کے مسلک وعقائد کی جھلک موجود ہے اور اس کا اظہار برملا کرتے ہیں ؎

چون ملاحد منکران روزِ محشر نیستم در پے افعال می بیند جزا اعمال ما

کہ بعصیان سرکشم از تو بہ غافل نیستم گریہا در پردہ دارد خندۂ بیجای ما

عارفانِ حقیقت کے لیے محبتِ الٰہی میں غرق ہونا اور ماسوی اللہ سے دل علیحدہ کرنا ہی شیوۂ مردانگی ہے ؎

در راہِ محبت کہ عبادتگہ مردانست سر در قدم افگند و دانست دل ما

چون بُو کہ خبر می دہد از گل کہ کلامست در عرض سخن میر عیانست دل ما

لیکن وہ جادۂ شرع سے سرمو نہیں ہٹتے ؎

تن بکار شرع دل مست شراب وحدتم

طیلسان بر دوش سرکردم رہِ میخانہ را

اسی لیے ان کے خیال میں دین کے لیے بُرہان کی ضرورت نہیں ہے بلکہ تسلیم کی ضرورت ہے ؎

صاحبِ تسلیم را برہان نمی آید بکار

اہلِ دین را حکمتِ یونان نمی آید بکار

عشق و عقل کا مسئلہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ شاہ صاحب نے اس غزل میں اسی مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی ہے ؎

عشق وا کرد عقدہ دلہا عقل مشکل کشا نشد ہرگز

بے تکلف بود خرا باتی زاہدی بے ریا نشد ہرگز

عقل بر عشق کے شود غالب بحث بے جا بجا نشد ہرگز

بے تکلف گرفت دامن ما عشق محو حیا نشد ہرگز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تا نیاید نسیم جلوۂ یار — دل یک غنچہ وا نشد ہرگز
کی سلامت بود ز حادثہ گو — سر بجیب رضا نشد ہرگز
میرؔ لذاتِ مائل دنیا — دل مرد خدا نشد ہرگز
تا نیفتاد چار دیوارش — خانہ من بنا نشد ہرگز

تو جہ امی شوی ز خود بینی
یار از تو جدا نہ شد ہرگز

وہ نماز، روزہ کو محض ادائے فرض نہیں سمجھتے بلکہ اس کا مقصد قرب و رضائے الٰہی ہے اگر عابد کو لذت قرب حاصل نہیں ہوئی تو یہ تعب بیکار ہے ؎

گر دیدن رُخ تو میسر نمی شود — پس چیست حاصل از تعبِ روزہ و نماز

ان کی غزلیں صدق و صفا کے اظہار کا مظہر بھی ہیں اور مرکز بھی ہیں، یہی ان کی زندگی کا حاصل ہے۔ یہ انداز فکر ان کی تمام غزلوں میں ہے، جہاں تصوف کی جھلکیاں موجود ہیں۔ ان کی پاکبازانہ زندگی تصنع سے خالی ہے۔ مشکل مسائل کو آسان زبان میں ادا کرنا ان کی غزلوں کی خصوصیات میں سے ہے۔ وہ جنون (منتہائے محبت الٰہی، رضائے الٰہی کا شوق بے انتہا) کو خرد پر ترجیح دیتے ہیں، اس لیے کہ عقل دلائل کی پیچیدگیوں میں پھنسا دیتی ہے ؎

از فیض جنون میرد خرد را نہ وہم دل
با درد رسا روی بدرمال چکند کس

البتہ طالب حق کے لیے لذاتِ دنیا سے اعراض ضروری قرار دیتے ہیں ؎

طالبِ حق کند از لذتِ دُنیا اعراض
یوسف آنست کہ دارد ز زلیخا اعراض

یہ شعر عارفانِ حقیقت کے لیے اس رمز کی طرف اشارہ کر رہا ہے جہاں قدم قدم لذتِ دنیا دامنِ دل کو کھینچتی ہے۔ سورۂ یوسف کا واقعہ احسن القصص کہا گیا ہے، اس لیے کہ انسانیت نبوت کی منزل معراج پر تھی جہاں دنیا کی زلیخا دامنِ یوسفؑ کو نہ کھینچ سکی اور حضرت یوسفؑ کا یہ جہادِ نفس معرفتِ الٰہی کی اس منزل پر تھا جہاں وہ عصمت کے بلند ترین پہاڑ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر کھڑے تھے اور زوالِ دنیا ــ زلیخا ان پر دستِ تصرف سے کسی طرح بھی قابو نہ پاسکی۔
وہ کہتے ہیں ؎

چون صدف حق دہد از عالم بالا آبش
بالب تشنہ کند ہر کہ ز دنیا اعراض
عاشق از صحبت افسردہ دلان برخیزد
مرد حقی کند از صحبتِ دنیا اعراض

انھوں نے مشکل زمینوں میں غزلیں کہی ہیں مثلاً "نیست حظ" اور یہاں بھی وہ اصلاحِ نفس سے غافل نہیں ہوتے ہیں ؎

لذتِ وصلش بدون ذبح گا و نفس نیست
چون نکردی اضحی از عید قربان نیست حظ
یار در آغوش دل داری چہ سود از غافلی
در فراق افتادہ را از قرب جانان نیست حظ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک شعر میں اس مضمون کا اظہار فرمایا ہے :۔
"اے انسان تو یہ سمجھتا ہے کہ تو معمولی سا ڈھانچہ ہے حالانکہ تجھ میں ایک عالم اکبر چھپا ہوا ہے "
"اتزعم انک جرم صغیر ، وفیک انطوی عالم الاکبر"
میر جان اللہ نے اس بلند کلام کو اپنے الفاظ میں یوں ادا کیا ہے ؎

آیت اللہ در اوراق وجودت ظاہر است
مصحفت در دست می بینم نمی خوانی دریغ

ان کے کلام میں آیاتِ الٰہی کے مفاہیم کو جگہ جگہ بیان کیا گیا ہے مثلاً اس آیہ کریمہ
وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی
کو انھوں نے یوں پیش کیا ہے ؎

سعی خود با ہمت مردانہ ناوردی بجا
از خجالت پیش دا سر در گریبانی دریغ

ایک اور مثال ان کی غزل سے پیش کی جاتی ہے جس میں ردیف وقافیہ "گرد عشق" ہے۔

© rasailojaraid.com